باسم میواتی

ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری ان عظیم شخصیتوں میں سے تھے جو صدیوں بعد کتمِ عدم سے منصہ شہود پر آتی ہیں۔ اور لوگوں پر اپنی شخصیت اور کارکردگی کے انمٹ نشانات چھوڑ جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تقریر کرنے کا وہ جوہر انہیں ودیعت کیا تھا جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے برصغیر کے سیاسی و دینی سٹیج پر فاضل اور باکمال لوگ اپنی تقریروں سے لوگوں میں جادو جگاتے رہے مگر شاہ جی کی مثیل ان میں سے کوئی نہ ہوا۔ ان کی آتش بیانی اور شعلہ زبانی کا یہ عالم تھا کہ برسوں ان کی تقاریر کا چرچا رہتا تھا۔ جمال و جلال کا یہ پیکر جب سٹیج پر نمودار ہوتا تھا تو سامعین میں ایک جوش و خروش موج زن ہو جاتا تھا اور لوگ ان کی ہر بات پر "آمنا و صدقنا" کہہ اٹھتے تھے یہ پیغمبرانہ شان، خدائے برتر نے اس بیسویں صدی میں انہیں عطا کی تھی۔ ان کی قلندرانہ عظمت کا یہ حال تھا کہ مخالفین بھی اپنے دلوں میں ان سے خوف محسوس کرتے تھے، تمام ہندوستان میں ان کی تقاریر نے ایک آگ سی لگا رکھی تھی۔ مولانا محمد علی جوہر تو یہاں تک کہنے پر مجبور ہو گئے کہ "اگر میرا بس چلتا تو اس پنجابی جادوگر کی زبان بند کر دیتا" کیونکہ وہ عوام کو اپنی تقریر کے جادو سے جس طرف چاہیں لے جاتے تھے، حکومت کا خفیہ محکمہ جب ان کے جلسوں اور تقاریر کی رپورٹیں ارسال کرتا تھا تو کئی انگریز یہ خواہش کرتے تھے کہ کاش انہیں اردو زبان آتی اور شاہ جی کی تقاریر کی طوفان خیزیاں دیکھتے، ضلع ملتان کے ایک انگریز ڈپٹی کمشنر، مسٹر مون نے ایک مکان کی چھت پر چھپ کر ان کی تقریر سنی، شاہ جی کو کوئی انگریزی پارلیمانی رکن مسٹر برک سے اور کوئی یونان کے آتش بیاں مقرر، ڈیما ستھنیز سے مشابہت دیتا تھا۔ لیکن وہ ہشت پہلو شخصیت کے مالک تھے علامہ اقبال نے فرمایا ہے کہ!

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

حضرت شاہ جی اس کی مکمل تصویر تھے، سٹیج کے علاوہ ان کی مجلسوں میں شگفتگی کی عجیب فضا ہوتی تھی، قدرت نے حسِ مزاح کی نعمتِ وافر سے نوازا تھا۔ اکثر احباب پر شگفتہ طنز کرتے تھے۔ ان کی محفلوں سے اٹھنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ جرأت اور اعلیٰ حوصلہ کی وہ زندہ مثال تھے۔ کسی طاقت کے سامنے سر نہیں جھکایا وہ ایک شعر اکثر پڑھا کرتے تھے آج وہ ہمیں پڑھنا ہوتا ہے تو آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں۔

چراغوں کا دھواں، دیکھا نہ جائے
پرانی صحبتیں یاد آ رہی ہیں

۱۹۵۰ء سے ۱۹۶۰ء تک اکثر شاہ جی سے ملاقاتیں ہوتی رہیں، پروفیسر محمد علی، سید مبارک علی شاہ جی اور میں اتوار کے روز ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو وہ مزاحاً کہتے تھے کہ آج شہر میں کوئی اچھی فلم نہ ہو گی، اس لئے چلیں بخاری کی دماغ سوزی کرتے ہیں، لوگوں کے ایسے ایسے واقعات اور حالات، سناتے تھے کہ شاہ جی کی مردم شناسی اور حافظہ پر حیرانی ہوتی تھی، ایک روز میں نے کہا شاہ جی آپ نے انگریزوں کے خلاف جنگِ آزادی میں سرفروشانہ حصہ لیا ہے اس لئے حریت کی عمارت کی پیشانی پر آپ کا نام بھی درج ہو گا۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو عمارت کی بنیاد کے روڑے ہیں۔ ہمیں کون یاد رکھتا ہے۔ پھر علامہ اقبال کا یہ شعر انہوں نے پڑھا۔

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی نا خوش
میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

دسمبر ۱۹۵۶ء کی کوئی تاریخ تھی کہ لاہور سے میرے ایک عزیز چودھری کنول خاں میرے پاس آئے اور انہوں نے شاہ جی سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ میں بعد نماز عصر، شاہ جی کے پاس انہیں لے گیا۔ شاہ جی نے پہچان لیا اور کہا آپ سے دہلی میں شوکت اللہ انصاری داماد ڈاکٹر مختار احمد انصاری کے یہاں ملاقات ہوئی تھی۔ باتوں باتوں میں چودھری کنول خاں نے ذکر کیا کہ با سم، ویزا لے کر میوات جا رہا ہے اور دہلی میں بھی چند روز قیام ہو گا کسی کو کوئی پیغام دینا ہو تو اسے دے دیں، شاہ جی کچھ سوچ میں پڑ گئے۔ ہم نے سوچا کہ اب مولانا احمد سعید دہلوی یا کسی اور مولوی کا نام لیں گے۔ انہوں نے کہا کہ "کیا تم چودھری شیر جنگ کو جانتے ہو؟ جس نے ایک ریلوے ٹرین پر بم پھینکا تھا۔ اور بعد میں سوشلسٹ ہو گیا تھا"، (ہم نے کہا کہ ہم اسے اچھی طرح جانتے ہیں) "تو اسے میرا محبت بھرا سلام کہنا"۔ پھر انہوں نے چودھری شیر جنگ کے بارے میں بتانا شروع کیا کہ جب اس نے ٹرین پر بم پھینکا تھا اور کئی انگریز ہلاک ہوئے تھے۔ تو وہ موت کی سزا کا حکم سننے کے بعد ملتان ڈسٹرکٹ جیل آیا۔ اس وقت میں سیاسی قیدی تھا چودھری کی پیشانی پر ماں کا دودھ جھلکتا تھا، میں نے اسے قرآن پڑھایا۔ وہ بہت ذہین تھا۔ اس کی نوعمری کو دیکھ کر اس کی سزائے موت عمر قید میں تبدیل کر دی گئی تھی۔ اور جب اخبارات میں سزائے موت کی خبر شائع ہوئی تو ایک ہندو دوشیزہ نے چودھری شیر جنگ سے شادی کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ بعد میں چودھری شیر جنگ رہا کر دیئے گئے۔ سپرنٹنڈنٹ جیل کو اس پر اتنا اعتماد تھا کہ اسے عشاء کے وقت جیل سے چھوڑ دیا جاتا تھا اور وہ پھر شہر کے مختلف تکیوں اور مزارات کی سیر کرنے کے بعد رات کو جیل آجاتا تھا۔ اس سلسلہ میں ایک کتاب "اوراق پارینہ" اس نے لکھی ہے۔ (۱) شاہ جی نے مزید بتایا کہ جس لڑکی نے اس سے شادی کا اعلان کیا تھا اس نے اسی کے ساتھ شادی کی اور وہ آج کل اندر پرست گرلز کالج میں پروفیسر ہے۔ چنانچہ شاہ جی کا سلام محبت لے کر جب میں دہلی پہنچا تو میں نے اپنے دوست سرور تونسوی سے جو ایڈیٹر اخبار شانِ ہند تھے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے چودھری شیر جنگ کا ٹیلی فون نمبر معلوم کر کے بتایا کہ وہ آج کل پنڈت نہرو کے ایما پر گوا دمن دیو کی سرحدوں پر گوریلا

جنگ کے سربراہ ہیں، اس وقت گوا دمن دیو، بھارت میں شامل نہ ہوئے تھے۔ بعد ازیں بتایا۔ پروفیسر محمد علی اور سید مبارک علی شاہ نے بتایا کہ جن دنوں شاہ جی ملتان جیل میں تھے تو ہم دونوں ان سے ملنے گئے تو شاہ جی نے ایک چھریرے جسم کا لڑکا ملاقات کو بھیج دیا اور کہا کہ اس سے باتیں کرو میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں، چنانچہ سید مبارک علی شاہ نے چودھری شیر جنگ سے کہا کہ آپ نے ٹرین پر بم کیوں پھینکا۔ تشدد سے کیا آزادی مل جائے گی۔ چودھری شیر جنگ نے کہا کہ آپ سمجھے نہیں۔ آپ کو علم ہے کہ تمام ملک میں سناٹا ہے، تمام رہنما جیلوں میں بند ہیں اور سیاسی محاذ پر خاموشی ہے۔ اس لئے میں نے ٹرین پر بم پھینک کر ملک میں یہ سوال پیدا کر دیا کہ بم کیوں مارا گیا۔ چنانچہ اس میں مجھے کامیابی ہوئی اور یہ سوال اور اس کا جواب لوگوں میں تازہ ہو گیا۔

مولانا مودودی اور شاہ جی

ایک روز بات چیت کے دوران، امیر جماعت اسلامی، مولانا مودودی کا ذکر آگیا۔ شاہ جی ان دنوں میں مولانا مودودی سے ناراض تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ کہیں علماء کی مجلس میں ایک قرارداد، قادیانیوں کے خلاف یا اسلامی شریعت کے نفاذ سے متعلق تھی، منظور کی گئی لیکن دوسرے روز، اخبارات میں مولانا کا یہ بیان شائع ہوا کہ علماء کے اس اجلاس میں جس میں یہ قرارداد منظور ہوئی۔ وہ شریک نہ تھے، (۲) شاہ جی فرماتے تھے کہ وہ اجلاس میں موجود تھے ان سے ایسے بیان کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔

ڈپٹی کمشنر کی جواب طلبی

شاہ جی نے ایک روز فرمایا کہ میں نے اب سیاسی جلسوں میں شرکت کرنا ترک کر دیا ہے کیونکہ پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد میں نے سیاست چھوڑ دی اور صرف تبلیغ کا کام سنبھال لیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ ایک روز ملتان کے ڈپٹی کمشنر شیخ رشید کا ایک ایلچی آیا کہ ڈپٹی کمشنر آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ کام کیا ہے۔ اس نے بتایا کہ صوبہ کے وزیر علی حسین شاہ گردیزی کا کوئی پیغام ہے۔ میں نے کہا کہ میں سرکاری افسروں سے نہیں ملا کرتا۔ کچھ روز کے بعد وہ سرکاری ملازم پھر آیا اور مجھے نہایت انکساری اور اصرار کے ساتھ مجبور کرنے لگا کہ آپ ضرور ملاقات کر لیں۔ کوئی ضروری کام معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ جب ڈی سی سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ سید علی حسین شاہ گردیزی کی یہ خواہش ہے کہ آپ ان کے جلسہ میں نہ صرف شرکت کریں بلکہ تقریر بھی کریں۔ جو قلعہ قاسم باغ پر فلاں تاریخ کو ہو گا۔ شاہ جی نے ڈی سی کو مشورہ دیا کہ آپ ان الجھنوں میں نہ پڑیں۔ آپ سرکاری افسر ہیں کوئی نقصان نہ پہنچ جائے مگر وہ نہ مانے چنانچہ میں نے صوبائی وزیر کی دلجوئی کے لئے تقریر کر ڈالی۔ اس جلسہ اور تقریر کے دو ماہ بعد ابدالی روڈ پر شیخ رشید سے اچانک ملاقات ہو گئی۔ تو وہ کہنے لگے کہ شاہ جی آپ درست فرماتے تھے ابھی تک حکومت میرے پیچھے جھاڑ کر پڑی ہوئی ہے اور جواب طلبی پر جواب طلبی جاری ہے کہ شاہ سے تقریر کیوں کرائی تھی، گردیزی صاحب میری کوئی مدد نہیں کر پاتے۔

علامہ اقبال اور شاہ جی

شاہ جی علامہ اقبال سے بہت زیادہ عقیدت رکھتے تھے۔ اور ان کے اشعار اکثر سنایا کرتے تھے علامہ اقبال کو بھی شاہ جی سے بڑی محبت تھی اور جب وہ لاہور میں ہوتے تھے تو ان کو ملازم بھیج کر بلایا کرتے تھے۔ شاہ جی نے کہا کہ آج کل ہر شخص، علامہ سے اپنے خصوصی تعلقات کا ذکر کرتا ہے حالانکہ جن واقعات کا ہمیں علم ہے۔ ان کو اس کی ہوا بھی نہیں لگی۔ انہوں نے ایک واقعہ سنایا کہ علامہ اقبال، ہائی کورٹ میں جج لگنا چاہتے تھے۔ لیکن اس راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ، متعصب ہندو چیف جج، سر شادی لال تھے۔ اسی دوران میں۔ لاہور کے ایک مشہور خاندان کی طرف سے علامہ صاحب کے خلاف درخواست ارسال کی گئی کہ انہیں ہائی کورٹ کا جج نہ بنایا جائے کیونکہ وہ "ایرانی ذوق" کے حامل ہیں۔ شاہ جی نے فرمایا کہ یہ بات کہہ کر علامہ صاحب آبدیدہ ہوگئے اور کہنے لگے کہ زندگی میں کچھ گناہ سرزد ہوئے ہیں۔ لیکن "ایرانی ذوق" سے بخدا مجھے کوئی سروکار نہیں رہا۔

سجاد ظہیر کی سیاست

ایک روز ذکر چل پڑا کہ مسلمانوں میں بہترین مقرر کون کون سے ہیں تو ہم نے مولانا ابوالکلام، مولانا ظفر علی، ناظم سیوہاروی، نواب بہادر یار جنگ اور شاہ جی کا نام لیا۔ انہوں نے کہا کہ مجھے شامل نہ کریں، میں اتنا اعلیٰ مقرر نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا کہ آپ نے ڈاکٹر کنور محمد اشرف کا نام نہیں لیا۔ (۳) وہ بہت اچھے مقرر ہیں بلکہ اسلامی تاریخ پر بہت عبور رکھتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ہندوستان کے ایک بڑے شہر میں ایک سیاسی جلسہ تھا۔ جس میں ڈاکٹر اشرف نے تقریر کی اور امیری و غریبی کے مسئلہ پر اہم دلائل دئے ان کا مقصد سوشلزم کی حمایت کرنا تھا ان کی تقریر نے میرے پاؤں سے زمین نکال دی لیکن پھر میں نے اپنے دل میں کہا کہ اے عطاء اللہ ایسے سیاسی بینڈک تو ٹرٹر کرتے ہی رہتے ہیں۔ تو کہاں چل پڑا۔ پروفیسر محمد علیؔ نے پوچھا کہ ایک دوسرے اشتراکی رہنما۔ سجاد ظہیر کے بارے میں بھی کچھ بتائیں۔ شاہ جی نے فرمایا کہ آپ لوگ جو ترقی پسند دانش ور کہلاتے ہو، کیا بتا سکتے ہو کہ جو شخص کمیونسٹ پارٹی کارکن بھی ہو کیا وہ کسی مذہبی فرقہ سے تعلق رکھ سکتا ہے۔ جبکہ ان لوگوں کا پیرو مرشد لینن کہتا ہے کہ مذہب، افیون ہے۔ پروفیسر نے کہا کہ یہ منافقت نہیں ہو سکتی۔ تو شاہ جی نے فرمایا کہ اب سن لیجئے اپنے دانشور بھائی کی حرکت، سجاد ظہیر ہندوستان کی ایک جیل میں بند تھے۔ سجاد ظہیر، جیل میں خوش مذاقی اور شعر و شاعری سے دلچسپی کا اظہار کرتے تھے لیکن جب محرم کا مہینہ آیا تو ان پر اوس پڑ گئی وہ چہل پہل سب ختم، یہاں تک کہ دس محرم کا روزہ بھی رکھا۔ مجھے بڑی حیرانی ہوئی کہ سجاد کیسا کمیونسٹ ہے۔

رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی۔

شاہ جی نے بتایا کہ جیل سے باہر آنے کے بعد کمیونسٹ پارٹی کے جنرل سیکرٹری ایس کے ڈانگے سے کسی جگہ اچانک ملاقات ہو گئی۔ میں نے اس واقعہ کا ذکر اس سے کیا۔ ڈانگے نے کہا کہ میں سجاد ظہیر سے پوچھ کر آپ کو بتاؤں گا۔ میں نے شاہ جی سے پوچھا کہ پھر ڈانگے نے کیا جواب دیا۔ انہوں نے کہا کہ ڈانگے نے کیا جواب دینا تھا میں نے بمبئی کے ایک جلسہ میں یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ شیعہ ہمیشہ شیعہ رہتا ہے خواہ کمیونسٹ پارٹی میں ہو یا کسی اور جماعت میں۔

قادیانی رپورٹ

شاہ جی اپنی زندگی کے دو مقاصد بیان کرتے تھے۔ ایک انگریز حکومت کا خاتمہ اور دوسرا قادیانی تحریک کا انہدام۔ وہ کہتے تھے کہ انگریز تو گیا مگر ابھی قادیانی فرقہ موجود ہے جس کے خلاف ہم میدان میں آئے ہوئے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ شاہ جی آپ کی سرگرمیوں کا کوئی نتیجہ نظر نہیں آیا۔ انہوں نے کہا کہ برخوردار ہماری قادیانی مخالف تحریک کا یہ اثر ہوا ہے کہ تمہارے والد قادیانی ہو گئے تو ہو گئے مگر تمہیں ہم نے قادیانی نہیں ہونے دیا۔ نئے قادیانیوں کی نرسری مرجھا گئی۔ انہوں نے بتایا کہ قادیانی کسی غیر قادیانی کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھتے ہیں۔ مگر جب اس تحریک کے زیر اثر نوجوانوں نے ان کی مرمت کی تو مرزا بشیر الدین محمود نے الفضل میں ایک خبر شائع کرائی ہے کہ مرزا غلام احمد کی ایک تحریر مل گئی ہے۔ جس کے مطابق غیر قادیانیوں کے جنازہ میں شرکت کی جا سکتی ہے۔ انہوں نے ہنستے ہوئے کہا کہ اگر ایک ضرب اور لگ گئی تو دوسری تحریر برآمد ہو جائے گی۔ کہ مرزا غلام احمد نبی نہیں ہیں۔ شاہ جی نے ۱۹۵۳ء میں قادیانیوں سے متعلق تحقیقاتی کمیٹی پر شدید نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا کہ وہ فیصلہ پہلے ہی لکھے بیٹھے تھے وہ ہر شخص سے جو کمیٹی کے سامنے پیش ہوتا تھا یہ سوال کرتے تھے کہ مسلمان کی تعریف کیا ہے۔ شاہ جی نے کہا کہ میرا بیان اخبارات میں شائع ہونے سے روک دیا گیا۔ میں نے جسٹس محمد منیر سے کہا کہ یہ سوال تو آپ اس انداز سے پوچھ رہے ہیں کہ کسی شخص سے سوال کیا جائے کہ کیا تو نے اپنے باپ کو زدو کوب کرنا چھوڑ دیا ہے اگر وہ ہاں میں جواب دیتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ کتنی قبیح حرکت کا مرتکب رہا ہے۔ اگر کہتا ہے کہ نہیں تو بھی موردِ الزام ہے۔

ایک مزار

شاہ جی نے فرمایا کہ ایک دفعہ مظفر گڑھ میں ایک تبلیغی جلسہ میں خطاب کرنے والے تھے کہ جب میں نے قرآن شریف کی آیات مبارکہ کے بعد حاضرین پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ اگلی صف میں بیٹھے ہوئے لوگوں نے ڈانگ، کلہاڑی اور پتھر اپنے ہاتھوں میں لے رکھے ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ آج کوئی ہنگامہ ہو گا چنانچہ میں نے ابھی تقریر شروع کی تھی کہ ایک شخص نے کہا کہ شاہ جی آپ مزارات کی مخالفت کیوں کرتے ہیں۔ میں نے کہا لوگو مجھے

بتاؤ کہ خدا ایک ہے یا دو۔ انہوں نے کہا۔ ایک، قرآن شریف کتنے ہیں۔ ایک، مسلمانوں کا پیغمبر اعظم، ایک، تو پھر مزار کتنے ہونے چاہیئیں لوگوں نے کہا ایک، جو مخالفین جھگڑا کرنے آئے تھے، انہیں سانپ سونگھ گیا۔

سخن فہمی

ہندوستان میں یہ بات مشہور تھی کہ شعر کی نزاکتوں کو سمجھنے کی جو صلاحیت، اللہ تعالیٰ نے مولانا شبلی، مولانا ابوالکلام اور علامہ نیاز فتحپوری کو ودیعت کی ہے وہ کسی اور کا نصیب نہیں ہے لیکن ہم نے یہ دیکھا ہے کہ سخن فہمی میں شاہ جی ان تینوں حضرات سے کم نہ تھے۔ ایک دفعہ ان کو بخار چڑھا ہوا تھا کہ سلیمی دواخانہ، کچہری روڈ ملتان میں حکیم عطاء اللہ خاں سے ملنے آگئے۔ سید مبارک شاہ جی نے بیدل کا ایک فارسی شعر پڑھا، جسے سن کر شاہ جی جھومنے لگے۔ اور بار بار اس شعر کو دوہرانے لگے۔ پھر حکیم عطاء اللہ سے کہا کہ بھئی اب میری نبض دیکھو حکیم صاحب نے نبض دیکھ کر کہا اب آپ کے بخار میں افاقہ ہو گیا ہے۔ جب آپ نے آتے ہی نبض دکھائی تھی اس وقت نبض زیادہ تیز چل رہی تھی۔

زبان دانی

ایک روز میں نے پوچھا شاہ جی آپ نے اتنی پرزور اور شگفتہ اردو کہاں سے سیکھی۔ انہوں نے کہا، شاید آپ لوگ ہمیں "پنجابی ڈھگہ" سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اردو کہاں سے سیکھی، آپ مولانا ظفر علی خاں سے یہ سوال کیوں نہیں کرتے، پھر شفقت سے فرمانے لگے کہ آپ اردو کے کلاسیکل شاعر، شاد عظیم آبادی کو جانتے ہیں۔ میں نے کہا کہ اچھی طرح انہوں نے کہا کہ جب شاد صاحب کو اردو کے کسی محاورہ یا لفظ کے بارے میں شک ہوتا تھا تو وہ ایک خاتون سے اس سلسلہ میں استفسار کرتے تھے، پتہ ہے وہ خاتون کون تھی۔ وہ میری نانی تھی، چنانچہ اردو ہماری گھٹی میں پڑی ہے۔

پنجاب کی تقسیم

ایک روز، بہاولپور سے کوئی شخص آئے ہوئے تھے۔ شاہ جی نے کہا کہ ان کی بات سنو یہ کیا کہتے ہیں۔ اس شخص نے جس کا نام میں اب بھول گیا ہوں علامہ رحمت اللہ ارشد کے حوالہ سے بتایا کہ انہوں نے خضر حیات کا بینہ کے صوبائی وزیر۔ محمد ابراہیم برق سے یہ بات سنی تھی کہ پنجاب کے وزیر اعظم خضر حیات ٹوانہ کو ۱۹۴۶ء غالباً ۱۹۴۶ء میں دہلی طلب کیا گیا وہ اپنے ہمراہ ابراہیم برق کو ساتھ لے گئے۔ نئی دہلی میں انہیں کہا گیا کہ وہ مولانا ابوالکلام آزاد سے ملیں۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات، مولانا آزاد سے ملے۔ مولانا آزاد نے کہا کہ پنجاب کو تقسیم کیا جا رہا ہے۔ اور کانگریس کی ہائی کمان نے یہ فیصلہ کر لیا ہے۔ اس لئے آپ پنجاب کے مسلم لیگی

رہنماؤں پر زور ڈالیں کہ وہ مسٹر محمد علی جناح سے کہیں کہ پنجاب کو کسی صورت تقسیم نہ کیا جائے اور اگر وہ نہ مانیں تو خضر حیات خاں وزیر اعظم کا عہدہ چھوڑ دیں کیونکہ تقسیم پنجاب ہونے سے جو فساد پھوٹے گا۔ اس کی ذمہ داری ان پر نہیں ہو گی۔ چنانچہ سر خضر حیات ٹوانہ نے دہلی میں مرکزی مسلم لیگی وزیر راجہ غضنفر علی خاں سے بات کی۔ راجہ صاحب نے کہا کہ مسٹر جناح کب کسی کی بات مانتے ہیں۔ اگر پنجاب کی تقسیم ہو رہی ہے تو اسے کون روک سکتا ہے۔ چنانچہ سر خضر حیات نے لاہور آتے ہی وزارت سے استعفےٰ دے دیا۔ اور لاہور میں یہ نعرہ گونج گیا کہ تازہ خبر آئی ہے خضر ہمارا بھائی ہے۔ شاہ جی نے فرمایا کہ مولانا آزاد، تقسیم پنجاب میں مسلمانوں کا نقصان دیکھتے تھے۔ ہو سکتا ہے انہوں نے ایسا کیا ہو۔

حفیظ جالندھری

شاہ جی نے ایک دفعہ سنایا کہ یوپی کے شہر بجنور میں دو سیاسی جلسے تھوڑے سے فاصلے پر منعقد ہو رہے تھے۔ ایک جلسہ کے مقرر، سید الاحرار مولانا حسرت موہانی اور دوسرے جلسہ کے مقرر وہ خود تھے، مگر جب انہوں نے قرآن شریف کی تلاوت شروع کی تو مسلم لیگی جلسہ کے آدھے حاضرین، ان کے جلسہ میں آ گئے اور جب تقریر شروع ہو گئی تو بہت کم لوگ رہ گئے، چنانچہ حفیظ جالندھری نے شاہنامہ اسلام پر پڑھنا شروع کر دیا مگر لوگ پھر بھی نہ رکے، میں نے بلند آواز سے کہا کہ اب جو باقی رہ گئے ہو ادھر آ جاؤ چنانچہ مولانا حسرت موہانی آ گئے اور حفیظ جالندھری اپنی بانسری بجاتے رہے۔

پہلی گرفتاری

شاہ جی نے اپنی پہلی گرفتاری کا حال بتاتے ہوئے کہا کہ مجھے بیڑیاں اور ہتھکڑیاں دونوں پہنائی گئی تھیں۔ کوئٹہ ایکسپریس سے علی الصباح، ملتان ریلوے سٹیشن پر اتارا گیا۔ پلیٹ فارم پر پولیس کے علاوہ شہری بھی بہت زیادہ موجود تھے۔ چنانچہ ملتان کے لوگوں میں سے چند افراد نے زور زور سے رونا شروع کر دیا۔ مجھے غصہ آ گیا میں نے کہا مجھے حوصلہ اور ہمت دینے کی بجائے میرا دل کمزور کرنا چاہتے ہو۔

سائمن کمیشن کا بائیکاٹ

شاہ جی نے فرمایا کہ تمام ہندوستان میں سائمن کمیشن کے خلاف ایجی ٹیشن جاری تھا اور ہر بڑے شہر میں احتجاجی جلسے ہو رہے تھے۔ کانگریس کے صدر پنڈت موتی لال نہرو نے الہ آباد میں ایک جلسہ کر دیا جس کی

صدارت وہ کر رہے تھے۔ چنانچہ کمیشن کے خلاف، تمام مقررین سے انہوں نے تقریر کرالی تو آخر میں میرا نام پکارا، میں نے دل میں سوچا کہ اس پنڈت نے آج مجھے بدنام کرنے کا موقع نکالا ہے۔ کیونکہ موضوع سے متعلق تمام باتیں مقررین کہہ گئے اور میرے لئے اب کہنے کو کیا باقی رہ گیا ہے۔ حسن اتفاق کہ ابھی میں تقریر کے لئے کھڑا ہوا تھا کہ سائمن کمیشن کی ارتھی اٹھائے ہوئے کچھ رضا کار سامنے سے آتے دکھائی دیئے۔ مجھے اسی وقت مرزا غالب کا شعر یاد آ گیا اور میں نے بلند آواز سے کہا۔

ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

پنڈت جی فوراً کرسی صدارت چھوڑ کر میرے پاس آئے اور مجھ سے لپٹ گئے اور کہا کہ ارے، ارے شاہ جی آپ نے کمال کر دکھایا۔

مہاتما گاندھی سے ملاقات

پروفیسر محمد علی نے پوچھا کہ شاہ جی مہاتما گاندھی سے بالمشافہ کوئی ملاقات ہوئی ہے انہوں نے کہا بارہا۔ جلسوں میں ان سے ملاقات ہوتی رہی ہے اور ۱۹۴۶ء میں جب کرپس مشن آیا ہوا تھا، تو شورش کاشمیری نے گاندھی جی کے پرائیوٹ سیکرٹری شرما سے ملاقات کا ٹائم لے لیا۔ میں نے جب شورش کو باہر جانے کی تیاری کرتے دیکھا تو میں نے پوچھا کہاں کی تیاری ہے۔ اس نے جواب دیا کہ آج مہاتما گاندھی سے ملنے جا رہا ہوں، چنانچہ میں نے کہا مجھے بھی ساتھ لے چلو۔ گاندھی جی سے ملے ہوئے کافی عرصہ گزر گیا ہے۔ چنانچہ جب بھنگی کالونی میں گاندھی سے ملاقات کی تو انہوں نے مسکراتے ہوئے پوچھا کہ شاہ جی، اب بھی آپ پانچ چھے گھنٹے مسلسل تقریریں کر سکتے ہیں۔ تو میں نے کہا کہ ہم اپنا اصول کیوں چھوڑیں۔ جب تک انگریز یہاں سے اپنا بستر گول نہیں کرے گا، یہ تقریریں جاری رہیں گی۔ گاندھی جی اس بات سے بہت محظوظ ہوئے۔

میاں افتخار الدین

میاں افتخار الدین اور سردار شوکت حیات نے مسلم لیگ کو چھوڑ کر ایک علیحدہ سیاسی پارٹی، آزاد پاکستان پارٹی، کے نام سے بنائی، چنانچہ وہ احرار رہنماؤں کو اس جماعت میں شامل کرنے کے خواہش مند تھے، شاہ جی نے بتایا کہ وہ اس سلسلہ میں میرے پاس آئے۔ میں نے کہا کہ افتخار ہم نے پاکستان میں اب سیاست کرنی چھوڑ دی ہے اور اب کسی سیاسی جماعت سے وابستہ نہیں ہے۔ میاں صاحب نے کہا کہ اب آپ جیل سے ڈرنے لگے ہیں۔ میں نے کہا کہ بھائی آپ سچ کہتے ہیں۔ میں انگریز کی جیل تو برداشت کر سکتا ہوں مگر پاکستان کی نہیں۔ جو بھی سیاسی رہنما اور کارکن ان جیلوں میں جاتا ہے کوئی نہ کوئی زندگی کا روگ لے کر آتا ہے۔ آپ

کو سیاسی جماعتیں بنانے کا شوق ہے وہ پورا کرتے رہیں۔ یاد رہے کہ میاں افتخار الدین، پہلے پنجاب کانگریس کے صدر تھے، پھر مسلم لیگ میں آگئے اور اس کے بعد آزاد پاکستان پارٹی قائم کی۔

اللہ اکبر کا نعرہ

شاہ جی نے بتایا کہ پشاور میں ایک سیاسی جلسہ تھا، جس میں ہندو اور سکھ بھی کافی تعداد میں موجود تھے۔ میں نے سوچا کہ آج ان سے اللہ اکبر کا نعرہ لگوانا چاہیئے چنانچہ میں نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ کیا خدا عظیم اور بڑا نہیں ہے، لوگوں نے کہا کہ عظیم ہے اور ہمارے ہندو اور سکھ بھائی بھی اللہ تعالے کو بڑا مانتے ہیں، تو وہ اللہ اکبر کیوں نہ لگائیں گے۔ چنانچہ جب نعرہ لگایا گیا تو ہندو اور سکھوں نے بھی پر زور نعرہ لگایا۔

اراضی کی پیشکش

مسٹر مختار مسعود صاحب ۱۹۵۶ء میں ملتان میں ڈپٹی کمشنر تھے۔ انہوں نے منشی عبدالرحمن کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ امیر شریعت عطاء اللہ شاہ جی بخاری سے ان کی ملاقات کرائیں۔ چنانچہ منشی صاحب۔ شاہ جی کے "دربار" میں حاضر ہوئے اور اپنی گزارش پیش کی۔ شاہ جی نے فرمایا کہ ڈپٹی کمشنر سے میری غرض نہیں ہے اگر انہیں ملنا ہے تو خود تشریف لائیں غریب خانہ اور بوریا حاضر ہے۔ منشی عبدالرحمن نے کہا کہ وہ سرکاری فرائض کے باعث آپ کے یہاں آنے سے گریز کرتے ہیں۔ شاہ جی نے کہا کہ غالباً وہ زمین پر بورے پر بیٹھنا نہیں چاہتے۔ حالانکہ نوابزادہ لیاقت علی خاں کا پرائیویٹ سیکرٹری اور مشرقی پنجاب (بھارت) کا چیف سیکرٹری پر بودھ یہاں زمین پر بیٹھے ہیں۔ منشی صاحب نے کہا کہ یہ بات نہیں ہے۔ چنانچہ منشی صاحب ایک ہفتہ کے بعد پھر تشریف لائے۔ اور اصرار کرنے لگے کہ مسعود صاحب سے ایک ملاقات ہو جائے۔ شاہ جی نے کہا کہ اچھا پھر کسی دن چلیں گے۔ چنانچہ کارمن شاہ جی اپنے ایک عزیز (م) کے ہمراہ ڈپٹی سی کی کوٹھی پر پہنچے، تو ڈپٹی سی صاحب نے ان کا خیر مقدم کیا۔ شاہ جی نے چھریرے بدن کے نوجوان کو خیر مقدم کرتے دیکھا تو انہوں نے کہا کہ مختار مسعود کیا اندر کوٹھی میں ہے، انہوں نے کہا کہ میں ہی مسعود ہوں۔ چنانچہ کوٹھی میں اندر گئے تو وہاں قالین اور صوفہ تھا۔ اور ایک سرکاری افسر بھی وہاں موجود تھا۔ شاہ جی قالین پر بیٹھ گئے۔ مسٹر مسعود نے اصرار کیا کہ آپ صوفے پر تشریف رکھیں۔ شاہ جی نے کہا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ قالین دے وہ قالین پر کیوں نہ بیٹھے۔ چنانچہ مسعود صاحب بھی قالین پر بیٹھ گئے۔ شاہ جی نے کہا کہ آج آپ لوگوں کو اس اعلیٰ عہدہ پر دیکھ کر دلی خوشی ہوتی ہے۔ ہم نے ان عہدوں پر قیام پاکستان سے قبل، ہندوستانی افسروں کا مطالبہ کیا تھا

مسٹر مختار مسعود صاحب، چونکہ ادبی آدمی اور ادب دوست انسان ہیں۔ انہوں نے ایک تمہید باندھی کہ جب میں علی گڑھ میں پڑھتا تھا تو آپ کی تقریروں کا بہت زور و شور تھا۔ مگر افسوس کہ میں آج تک آپ کے کسی جلسہ میں شریک نہ ہو سکا اور نہ کبھی تقریر سنی۔ شاہ جی نے پوچھا کہ میرے بلانے کا مقصد کیا ہے۔ ڈی سی صاحب نے بتایا کہ آپ کی کچھ مدد کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ آزادی ملک کے لئے آپ کے عظیم جذبات ہیں۔ شاہ جی نے پوچھا کہ کیسی امداد، انہوں نے بتایا کہ بطور ڈپٹی کمشنر میں نے غلہ لگاؤ سکیم کے تحت جو مربع زمین دے دونگا، شاہ جی نے کہا کہ بنجر زمین آباد کرنے کے لئے رقم کی ضرورت ہو گی، مسٹر مسعود نے کہا کہ وہ بنک سے قرضہ دلا دونگا۔ شاہ جی نے کہا کہ مسعود تم نے گھر بلا کر اچھی بات نہیں کی۔ تم نے اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے غلط آدمی کا انتخاب کیا ہے۔ اگر مجھے اراضی قبول کرنی ہوتی تو کیا انگریز سے نہیں مل سکتی تھی۔ میرے امرتسر میں دو مکان تھے۔ ان کے بدلہ میں پاکستان میں آج تک کوئی مکان نہ مل سکا اور میرا لڑکا، (۵) بحالیات کے دفتر کے چکر لگاتا ہے میں کہتا ہوں کہ انہیں چھوڑ دے تجھے مکان نہیں ملتے۔

اچھی تقریر

شاہ جی مجھ سے بہت محبت کرتے تھے بلکہ بعض دفعہ میں گستاخ بھی ہو جاتا تھا، ایک روز میں نے اپنی حماقت کے باعث، باغ لانگے خاں میں کی گئی ایک تقریر کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ شاہ جی کل آپ نے جو تقریر کی ہے اس سے آپ کی شہرت کو نقصان پہنچا ہے اچھی تقریر نہ تھی۔ انہوں نے فرمایا کہ وہ تبلیغی جلسہ تھا وہاں حاضرین کے مطابق ہی تقریر کی جاتی ہے، پھر پورے جوش میں آ کر کہا کہ اگر میری تقریر سننی ہے تو دہلی، لکھنو یا الہ آباد کا پاسپورٹ دلاؤ اور پھر میری تقریر سن کر اپنی رائے کا اظہار کرو۔

وضع داری

شاہ جی جس مکان میں رہتے تھے، اس کا مالک مکان، کرایہ میں اضافہ کرتا رہتا تھا، انہوں نے بتایا کہ یہ مکان غالباً پندرہ روپے ماہوار کرائے پر لیا تھا اور اب وہ چالیس روپے کرایہ طلب کر رہا ہے کیونکہ جب بھی نلکہ لگانے اور بجلی لگانے پر کچھ خرچ کرتا ہے تو کرایہ بڑھا دیتا ہے۔ میں نے کہا کہ آپ اس مکان کو چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ انہوں نے کہا کہ وضع داری بھی کوئی چیز ہے۔ یہ انسان کے کردار کا ایک حصہ ہوتی ہے چنانچہ ۱۹۶۱ء میں اسی شکستہ مکان میں ان کا انتقال ہوا۔

مولانا ظفر علی خان

ایک روز، سید مبارک علی شاہ نے پوچھا کہ شاہ جی آپ اپنی سیاسی زندگی میں کسی سے مرعوب ہوئے ہیں۔

انہوں نے بتایا کہ میں اللہ تعالے کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا، لیکن جب مولانا ظفر علی خاں، مجلس احرار کے خلاف ہوگئے اور نظمیں اخبار زمیندار میں شائع ہونے لگیں تو وہ گلی در گلی مقبول ہوجاتی تھیں۔ اور یہ اندیشہ رہتا تھا کہ کل کو کیا نظم شائع ہوگی۔ چنانچہ ہمارا ایک جلسہ ہو رہا تھا کہ پوسٹر تقسیم ہونے شروع ہوگئے۔ جس پر مولانا ظفر علی کی ایک نظم موجود تھی۔ جس کے دو شعر مجھے یاد ہیں۔

طفلِ پری رخ کی شریعت افگنی نے
کل رات نکالا مرے تقویٰ کا دیوالا
مسجد کا اگر تجھ کو بنانا ہے شوالا
احرار کے بت خانے سے مظہر کو بلالا

شاہ جی نے فرمایا کہ میں نے اس پوسٹر کو ہاتھ میں لے کر تقریر شروع کی اور کہا کہ کل رات ہی نہیں بلکہ یہاں ہر شب تقویٰ کا دیوالا نکلتا ہے کیونکہ ہم کسی کے ایجنٹ نہیں ہیں۔

امیر شریعت کو کیا ہوا

پروفیسر محمد علی بخاری نے سودا کی زمین میں کہ "اے کشتۂ ستم تری غیرت کو کیا ہوا" ایک غزل لکھی جو انہوں نے اپنے دوستوں کو سنائی۔ مطلع تھا کہ

پیمان حفظ دین و شریعت کو کیا ہوا
کچھ تو کہو امیر شریعت کو کیا ہوا
پھر ہم ہیں بت ہیں اور عقیدت کے پھول ہیں
جانے بتوں سے پہلی عداوت کو کیا ہوا
(٦)

دراصل غزل کے مطلع کا دوسرا مصرعہ یہ تھا

تقدیر دو جہاں کی امانت کو کیا ہوا

اور اسی طرح ان کی مطبوعہ کتاب میں بھی چھپا ہے مگر دوستوں کی محفلوں میں دوسرے مصرعہ کو بدل کر پڑھتے تھے۔ اب شعر تو پروفیسر نے کہہ دیا مگر شاہ جی کی خدمت میں حاضر ہونے سے کترانے لگے۔ ہم نے کہا کہ شاہ جی ایسی باتوں سے پریشان ہونے والے نہیں ہیں۔ آپ ان سے مل لیں۔ چنانچہ، سید مبارک علی کو ساتھ لے کر وہ شاہ جی کے پاس گئے۔ میں نے سنا کہ شاہ جی نے بھی اس کے جواب میں کوئی شعر کہا تھا۔ جو مجھے یاد نہیں ہے۔ (٧)

شاہ جی کی باتوں کو یاد کر کے لوگ سر دھنتے ہیں۔ اور حافظ شیرازی کے شعر ان کے بارے میں پڑھتے ہیں۔

ہر گز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوامِ ما

---

(۱) شیر جنگ کی دوسری کتاب "انقلاب روس" ہے۔
شاہ جی ہی کی روایت ہے کہ شیر جنگ مجھ سے ترجمہ قرآن بھی پڑھتا تھا۔ ایک دن کہنے لگا۔ "شاہ جی! اس کتاب میں کہیں غلامی کا لفظ نہیں۔ جس قوم کے پاس یہ کتاب ہو وہ غلام نہیں ہو سکتی (مدیر)

(۲) ۱۹۵۲ء میں کراچی میں ی آل پارٹیز مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کا اجلاس ہوا تھا۔ جس میں قادیانیوں سے متعلق قرار داد اقلیت اور "راست اقدام" کا فیصلہ ہوا۔ مولانا مودودی اس اجلاس میں شریک تھے مگر منیر انکوائری کمیشن میں انکار فرما دیا شاہ جی کا بیان تھا کہ وہ اجلاس میں میرے گھٹنے سے گھٹنا ملائے بیٹھے تھے۔ (مدیر)

(۳) شاہ جی روایت ہے کہ ڈاکٹر کے ایم اشرف نے ایک مرتبہ ان سے کہا "آپ کی تحریروں سے انقلاب کی بو آتی ہے۔ آپ کا علاج گولی ہے۔" (مدیر)
(۴) شاہ جی کے داماد پروفیسر سید محمد وکیل شاہ (مدیر)
(۵) سید عطاء المحسن بخاری

(۶) ایک روایت کے مطابق یہ شعر اس طرح بھی سنایا گیا۔

مسلک بدل کے آج قیادت کے ساتھ ہے
کس سے کہیں امیر شریعت کو کیا ہوا

اس شعر میں دراصل شاہ جی کی طرف سے لیگی قیادت کے ساتھ مفاہمت پر طنز ہے۔ (مدیر)
(۷) پروفیسر محمد علی بخاری نے اپنا شعر شاہ جی کو سنایا تو شاہ جی نے فی البدیہ جواب دیا۔ اور ان کی ترقی پسندی پر بھرپور طنز کیا۔ شاہ جی کا شعر ان کے کاغذات میں سے مجھے مل گیا جو یہ ہے۔

سید کے بانکے کا بھی کعبہ ہے ماسکو
سادات کی حمیت و غیرت کو کیا ہوا

فدائے احرار

محمد عمر فاروق کے قلم سے ایک تاریخی دستاویز

مولانا محمد گل شیر شہید

قیمت =/150 روپے

اسلام کے نامور سپوت اور تحریک آزادی کے عظیم مجاہد کے سوانح
افکار، احوال و آثار، سیرت و کردار اور بے مثال جد وجہد

بخاری اکیڈمی، مہربان کالونی، ملتان۔